مولانا محمد حنیف ندوی

خلیفہ عبدالحکیم کی یاد میں

"مجلسِ یادگار خلیفہ عبدالحکیم" کی طرف سے ۳۰ جنوری ۱۹۸۳ء کو ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کی یاد میں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقع پر مولانا محمد حنیف ندوی نے ایک مقالہ پڑھا جو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱۹۵۱ء کی ایک سہ پہر کو خلیفہ صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی، بہت تپاک سے پیش آئے، مجھ سے پوچھنے لگے کہ اسلام میں اجتہاد کو کیا اہمیت حاصل ہے اور خود بھی اس مسئلے پر اظہارِ خیال کرنے لگے۔ ان کی گفتگو کا آغاز کچھ یوں تھا جیسے علم و ادب کا دریا امڈا آرہا ہے۔ مسلسل اور پُرجوش۔ جو بات کہتے اس میں فکر کی گہرائی، عقیدے کی استواری اور معلومات کی فراوانی صاف جھلکتی ہوئی نظر آئی۔ اثنائے گفتگو میں اشعار، لطائف اور چٹکلے برابر اپنی بہار دکھاتے رہے۔ خلیفہ صاحب سے متعلق میرا اوّلین تاثر یہ تھا کہ یہ شخص بلا کا ذہین اور دانش ور ہونے کے ساتھ ذوقِ سلیم سے بھی بہرہ ور ہے اور اسلام کے لیے اپنے دل میں بے پناہ درد اور کسک بھی رکھتا ہے۔ خلیفہ صاحب کی پوری تقریر تو اس وقت مستحضر نہیں البتہ کچھ جملے اب تک کانوں میں گونج رہے ہیں۔

ان کا کہنا تھا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں امتیازی فرق یہ ہے کہ اس کی تعلیمات صرف ان تصریحات و نصوص ہی پر حاوی نہیں جو وحی و تنزیل کا کرشمہ ہیں بلکہ اس میں انسانی فہم و استدلال کو بھی درخور اعتنا سمجھا جاتا ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں ترتیب پائے۔ اسلام کا تعلق جس طرح ہمارے تابناک ماضی سے ہے اسی طرح اس کا تعلق حال و مستقبل کی درخشانیوں سے بھی ہے یعنی اسلام میں اجتہاد کے ذریعے اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ تاریخ کی گردشوں سے مختلف احوال و ظروف میں جو نئے نئے مسائل ابھریں ان کا حل تلاش کیا جائے۔

اجتہاد کے نیچر کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ اس کو نسبتاً آزاد اور تخلیقی ہونا چاہیے۔ کیوں کہ الفاظِ حدیث کی مختلف النوع دلالتوں پر مبنی اجتہاد مسائل کو پوری طرح حل کرنے میں قاصر رہتا

ہے۔ مجھے یاد ہے انھوں نے ذرا زور دے کر کہا تھا کہ فقہا کے روایتی اجتہاد سے ہٹ کر ہمیں حضرت عمر فاروق کے طریق استنباط کی پیروی کرنا چاہیے اور الفاظ و حروف سے زیادہ اس حقیقت کا سراغ لگانا چاہیے کہ زیر تحقیق مسئلے میں اسلام کی اصل روح کیا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں۔ تیس چالیس منٹ کی اس تقریر کے دوران میں صرف ان کا منہ تکتا رہا۔ میرے لیے ان کی باتیں نئی بھی تھیں اور کہیں کہیں اختلاف کا موجب بھی۔ مجھے اس شے نے ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا تھا کہ سوٹ بوٹ میں ملبوس یہ شخص اسلامیات پر کس درجہ گہری نظر رکھتا ہے۔ میں ان کی تقریر سے کس درجہ متاثر ہوا، اس کے جواب میں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ میری پہلی کتاب "مسئلہ اجتہاد" اسی تقریر کا نتیجہ تھی جس میں اپنی صواب دید کے مطابق میں نے قدرے وسیع تر تناظر میں اس موضوع سے متعلق تحلیل و تجزیہ سے کام لیا اور یہ کہ اس مسئلے کی فقہی و تہذیبی اہمیت اس تقریر کے بعد ہی ابھر کر میرے سامنے آئی اور میں مجبور ہو گیا کہ سب سے پہلے اسی موضوع کو اپنے غور و فکر کا محور ٹھہراؤں۔

اس ملاقات کے دوسرے دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے اگر کوئی علمی کام کرنا ہے تو خلیفہ صاحب کے حلقۂ فکر و دانش میں بلا محابا شریک ہو جانا چاہیے۔ خلیفہ صاحب نے مجھے باقاعدہ دعوتِ شرکت دی اور میں مان گیا، اور آج تک بحمد اللہ اس حلقے میں رہ کر اپنی بساط کے مطابق علم و فکر کی خدمت میں مصروف ہوں۔

یوں تو خلیفہ صاحب کی پہچان کے کئی پہلو ہیں، لیکن نمایاں اور ابھرے ہوئے خد و خال یہ ہیں:

۱۔ مطالعہ کی ہمہ گیری

۲۔ مجلس آرائی اور مکالمہ طرازی

۳۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی

کتابوں سے انھیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا، لیکن اس عشق میں فرزانگی کا یہ پہلو نمایاں تھا کہ یہ صرف انہی کتابوں کو منہ لگاتے جو چیدہ اور مستند ہوں۔ مطالعہ کے لیے وقت کی کوئی قید نہ تھی، جب بھی فارغ ہوتے کتاب کی ورق گردانی شروع کر دیتے۔ ان کا کہنا تھا کہ علم ایسی غذا ہے جس کے کھانے سے سیر ہونے کے بجائے بھوک اور بڑھتی ہے، اس لیے بھرپیٹ پڑھنا چاہیے اور

خوب پڑھنا چاہیے۔ پڑھنے کی لت اور خواہش وطلب کے دائرے ان کے نزدیک اس درجہ عزیز تھے کہ اکثر اوقات یہ بڑی اہم تقریبات میں اس لیے شریک نہ ہو پاتے کہ اس سے ان کے ذوقِ مطالعہ میں حرج واقع ہوتا ہے۔

انور اقبال قریشی نے لکھا ہے کہ "خلیفہ صاحب سے ملاقات کے بعد میرا یہ زعم غلط ثابت ہوا کہ میں بہت پڑھتا ہوں۔ خلیفہ صاحب کے ذوقِ مطالعہ نے مجھے حیران کر دیا۔ وسعتِ مطالعہ کے ساتھ ان کی رفتارِ مطالعہ بھی حیران کن تھی۔" مجھے ذاتی طور پر ان کی رفتارِ مطالعہ کا علم اس سے ہوا کہ ایک دن ایک نشست میں جو روزانہ ادارے کے لان میں التزام سے منعقد ہوتی تھی، تشبیہات کا ذکر چھڑا، میں نے کہا، تشبیہ بھی ایک طرح کا اندازِ استدلال ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے بعض عسیر الفہم مسائل کو سلجھانے کے لیے سادہ اور دل نشین تشبیہات سے کام لیا ہے اور حضرت مسیح کی دعوت وارشاد کا تو یہ مخصوص اور جانا بوجھا اسلوب تھا کہ تشبیہات کے پردے میں، مذہب و دین کے حقائق عالیہ بیان کیے جائیں، اس لیے کہ تشبیہات بسا اوقات منطقی استدلال سے کہیں زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ خلیفہ صاحب نے اس مصرع طرح پر یہ گرہ لگائی کہ تصوف ودین کے رموز واسرار کو بہترین تشبیہات کے بل پر جس خوبی وشگفتگی سے رومی نے آشکارا کیا ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ اس پر میں نے کہا، کیوں نہ "تشبیہاتِ رومی" کے نام سے ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ خلیفہ صاحب کو یہ تجویز پسند آئی اور چند ہی روز بعد دیکھتا ہوں کہ خلیفہ صاحب نے پوری مثنوی ومعنوی کو اس غرض سے کھنگال ڈالا ہے کہ اس میں مندرج حسین تشبیہات کو ایک لڑی میں سلیقے سے پرو دیا جائے۔

خلیفہ صاحب کے مطالعہ میں تنوع، وسعت اور بوقلمونی اس بنا پر ابھر آئی کہ ان کو انگریزی، جرمن، فرنچ، فارسی اور ادب اردو میں یکساں دسترس حاصل تھی۔ مزید برآں فلسفہ، تصوف اور اسلامیات کی بہترین کتابیں ان کے زیرِ مطالعہ رہتیں۔ شبلی ان کا چہیتا ممدوح تھا۔ حالی کی سوانح نگاری اور بابائے اردو عبدالحق کے تحقیقی مقالات ان کو دل پسند تھے، فلسفہ وتصوف میں افلاطون سے لے کر کانت تک اور تصوف میں بایزید اور ابوالہاشم سے لے کر ابن عربی تک ہر بڑے مفکر کے شاہکار ان کے نہاں خانۂ دل میں محفوظ تھے۔ ان کے مطالعہ کے دائرے کتنے

وسیع اور پھیلے ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کی تصنیفات سے کم اور گفتگو سے زیادہ ہوتا تھا۔ جن لوگوں کو ان کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ بات مذہب و دین کی ہو یا فلسفہ و ادب کی، جب بھی انھوں نے کسی مسئلے پر لب کشائی کی حکمت و معرفت کے رنگا رنگ دبستان سجا دیے۔ مجلس آرائی کا رکھ رکھاؤ اور ٹھاٹھ جو ہم نے ان کے ہاں دیکھا وہ اور کہیں نظر نہ آیا۔ مکالمہ طرازی میں ان کا خاص اور اپنا رنگ تھا۔ ہم روزانہ حلقہ بنا کر گیارہ بجے کے قریب کرسیاں ڈال کر ادارے کے صحن میں بیٹھ جاتے، خلیفہ صاحب ہلکے پھلکے لطیفوں کے تبادلے کے بعد چہکنا شروع کرتے اور ہم محسوس کرتے کہ ہم ان کے ساتھ ساتھ فکر و ذوق کی مختلف وادیوں میں گشت کر رہے ہیں۔ کبھی شبہ ہوتا کہ شاید ہم فلاطون کی اکاڈمی میں بیٹھے ہیں، کبھی احساس ہوتا کہ مسند درس پر قشیری اور ابن عربی تشریف فرما ہیں اور تصوف کے مقامات و احوال کی تشریح کر رہے ہیں اور کبھی کبھی ایسا لگتا کہ لکھنؤ اور دہلی کی قدیم ادبی محفلیں کالوں میں حلاوت ٹپکا رہی ہیں اور تذکیر و تانیث اور بدیع و بیان کے وہی چرچے دوبارہ بپا ہیں، جو کبھی ان محفلوں کی زینت تھے۔ یعنی اس ایک مجلس نے گویا زمان و مکان کے فاصلوں کو پھلانگ کر ماضی و حال کی علمی و ادبی یادوں کو از سر نو تازہ کر دیا ہے۔

اس نشست میں شومئ قسمت سے اگر کوئی خشک اور جامد قسم کا مولوی آ نکلتا تو خلیفہ صاحب کی حس طنز و مزاح پھڑک اٹھتی اور اس کو اس طرح آڑے ہاتھوں لیتے کہ اس کے لیے سنبھلنا دشوار ہو جاتا، اور اگر کسی مغربی سکالر کو تقدیر گھیر کر ان کے ہاں لے آتی تو نہ پوچھیے کس کس انداز سے خلیفہ صاحب اس پر حملہ آور ہوتے۔ مغرب کا فلسفہ، کلیسا، کلچر، تاریخ اور اہل مغرب کا موجودہ انداز حیات، ہر چیز ان کی شدید تنقید کا ہدف بنتی۔ اس وقت خلیفہ صاحب اسلام کے ایک پرجوش مبلغ کی حیثیت سے دفاع کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ شکل و صورت اور وضع قطع اور اس کے اندر پنہاں روح و باطن کا یہ تضاد اجنبی کے لیے اچھے خاصے اچنبھے کا باعث ہوتا کہ کوٹ پتلون میں ملبوس یہ شخص کس درجہ اسلام کی محبت میں سرشار ہے۔

خلیفہ صاحب کی مجلس آرائی اور سخن طرازی کا یہ ڈھب ایسا پیارا اور جاذب توجہ ہوتا کہ خود خلیفہ صاحب پر خود فراموشی کا عالم طاری ہو جاتا۔ ایک مرتبہ ایک نہایت معزز اور پڑھے لکھے ایک امریکی کو ادارے میں آنا تھا۔ خلیفہ صاحب نے ملاقاتیوں کو آداب مہمان نوازی بتاتے ہوئے

کہہ رکھا تھا کہ پہلے ٹھنڈے اور میٹھے مشروب سے ان کی تواضع کی جائے گی اور اس کے بعد گرم گرم چائے کا دور چلے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ خلیفہ صاحب نے حسبِ معمول جب گفتگو کا آغاز کیا اور اس سلسلے کو طولِ شبِ فراق کی شکل میں ڈھالا تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ ٹھنڈا مشروب تو گرم ہو گیا اور گرم گرم چائے ٹھنڈی اور یخ بستہ آہیں بھرنے لگی۔

تعلیم لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کے خلیفہ صاحب بلاشرکت غیرے واحد فرماں روا تھے۔ انگلش مفکر و فلسفی لاک کی طرح ان کی یہ رائے تھی کہ لطائف اور لوک کہانیوں میں بھی حکمت و دانش کے ایسے ایسے جواہر یک داد پائے جاتے ہیں جو بسا اوقات ٹھوس علمی مقالوں پر بھاری ثابت ہوتے ہیں۔

ان کی لطیفہ گوئی کی ایک دلچسپ جھلک دیکھیے اور داد دیجیے۔ ایک مرتبہ ایک مغربی خاتون اپنے مقالے کی ترتیب کے سلسلے میں خلیفہ صاحب کے ہاں ادارے میں آئیں۔ آپ نے بہ کمال شفقت اس کی رہنمائی فرمائی اور اپنے قیمتی مشوروں سے اس کے معمولی مقالے کو چار چاند لگا دیے۔ وہ بہت ممنون ہوئیں چلتے چلتے کہنے لگیں، خلیفہ صاحب اور تو اور آپ کا یہ ادارہ بہت خوب صورت ہے، اس کے وسیع لان، مہکتے ہوئے سبزہ زار اور پھول دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ جنتِ ارضی ہو۔ خلیفہ صاحب اس کی اس تحسین پر مسکرائے اور کہا، اس کے جنت ہونے میں کیا شبہ ہے، کسر صرف اس بات کی ہے کہ اس میں آپ جیسی کوئی حور جلوہ کناں نہیں۔

دوسرا لطیفہ سنیے۔ ایک دفعہ لندن میں کھانے پر مرزا بشیر الدین محمود اور خلیفہ صاحب میں مسئلۂ ختمِ نبوت پر بحث چھڑ گئی، مرزا صاحب نے کہا کیا آپ بھی بایں روشن خیالی اس بات کے قائل ہیں کہ موجودہ دور وحی و تنزیل کی ارزانیوں سے یک سر محروم رہے گا۔ خلیفہ صاحب نے فوراً جواب دیا جی تو میرا بھی چاہتا ہے کہ کوئی اللہ کا فرستادہ آئے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار و عمل اور پیغام و دعوت سے منصبِ نبوت کو اتنی بلندیوں تک اچھال دیا ہے کہ اب چھٹے قد کا کوئی مدعی نبوت آنکھوں میں جچتا ہی نہیں۔

لطیفہ گوئی اور طنز و مزاح میں خلیفہ صاحب پروفیسر وحید الدین سلیم سے بہت متاثر تھے۔ جن لوگوں نے ان دونوں حضرات کو حیدر آباد کی علمی و ادبی مجلسوں میں یک جا دیکھا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب یہ لطیفہ گوئی اور طنز و مزاح کے پھول بکھیرنا شروع کرتے تو پوری محفل دیوارِ قہقہہ بن جاتی۔

خلیفہ صاحب کی شخصیت اتنی جاذب، پیاری اور علوم و معارف سے آراستہ پیراستہ تھی کہ جو شخص ایک مرتبہ ان کو دیکھ لیتا ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ ڈاکٹر شاخت کا کہنا ہے "میں خلیفہ صاحب سے صرف ایک مرتبہ ملا، میرے دل میں ان کی یاد اور قدر و منزلت ہمیشہ قائم رہے گی"

شیخ علی کاشف الغطا لکھتے ہیں۔ "خلیفہ صاحب کی شخصیت سے حیات و توانائی کے شعلے بھڑکتے تھے، انھیں ادب و کمال کا ایک پیکر کہہ سکتے ہیں، ان کی حکمت کے نور سے زندگی کی راہیں چمک اٹھتی ہیں"۔

خلیفہ صاحب نے نہ صرف مشرق و مغرب کے فکری سوتوں سے ذہن کی حد تک استفادہ کیا بلکہ ان کے امتزاج سے خیالات و افکار اور عمل و کردار کے ایسے حسین سانچے کی صورت اختیار کی جس میں مغرب کی جدت طرازیوں کے پہلو بہ پہلو اعتدال و توازن اور اسلامیات کی جھلک صاف نمایاں ہے۔

کائنات، انسان، مادہ اور مذاہب عالم کے بارے میں ان کے اپنے نظریات تھے۔ اس عالم رنگ و بو کو وہ ساکن و راکد نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ ہر آن یہ انقلاب و تغیر کے اٹل قانون کے تابع ہے۔ وہ ہیراکلیئس کے اس مقولے کے پُرزور حامی تھے کہ کوئی بھی شخص ایک ہی ندی میں دوبارہ نہیں اتر سکتا۔" کائنات کی مکینیکل توجیہ کے برعکس وہ یہ راسخ عقیدہ رکھتے تھے کہ برگسان کا نظریہ جوشش جہات کی مکمل تشریح حی و قیوم خدا کو مانے بغیر نہیں ہو سکتی۔

وہ حضرتِ انسان کو روح و جسم کے دو خانوں میں تقسیم پذیر نہیں مانتے تھے، بلکہ تصوریت و تصوف کے حامیوں کی طرح جسم و قالب اور روح و ذہن کو خدائے لم یزل کی ایک ہی تجلی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ مادے کو متحرک اور اتساع پذیر ماننے کے باوجود اس لائق نہیں سمجھتے تھے کہ وہ کائنات میں نظم و ترتیب اور غایت و مقصد کی آفرینش کا باعث ہو سکے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ رب کائنات کی ربوبیت کا کرشمہ ہے کہ اس عالم تغیر و ارتقا کو ایک خاص ڈگر پر چلا رکھا ہے۔ مذاہب عالم کے بارے میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ ان سب میں حق و صداقت کے بنیادی عناصر کا پتا چلتا ہے، لیکن مکمل اور واضح صداقت کا حامل صرف اسلام ہے۔

خلیفہ صاحب اپنی حکیمانہ کاوشوں اور منفرد اسلوب اظہار کی وجہ سے فکر و دانش کے حلقوں میں زندہ رہیں گے، لیکن تاریخ کے صفحات میں ان کو دوام اس وجہ سے حاصل ہوگا کہ انھوں نے ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کی بروقت تاسیس کی اور اس میں ایسے لوگوں کے لیے خدمت کے مواقع مہیا

کیے جو اپنے قلم اور نگارشات سے اسلاف کے کارناموں کو اجاگر کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں اور اس حقیقت سے خوب آگاہ ہیں کہ قدیم و جدید علوم و معارف سے ربط پیدا کیے بغیر ہم صحت مند ذہنوں کی پرورش نہیں کر سکتے۔

خدا کا شکر ہے کہ ان کا قائم کردہ ادارہ اپنے محدود وسائل کے باوجود ملت کی عظیم خدمت انجام دے رہا ہے۔ آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ اب تک اردو اور انگریزی میں ڈیڑھ صد سے زیادہ کتابیں طبع ہو کر قارئین کے فکری تغذیہ کا سامان فراہم کر رہی ہیں، جن میں قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ اور تاریخ اسلامی، ایسے اہم مضامین شامل ہیں۔ دعا ہے کہ خلیفہ صاحب مرحوم کی یہ یادگار اور پھلے پھولے اور پروان چڑھے۔

مولانا رومی ــــــ حیات و افکار

بشیر محمود اختر

مولانا جلال الدین رومی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے دور میں فلسفہ و حکمت کے ماہر، تصوف و طریقت کے شناور، دعوت و ارشاد میں یکتا اور انسانی نفسیات کے فہم و ادراک میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے جس انداز میں مختلف مسائل کی گرہ کشائی کی ہے اور جس اسلوب سے فرد اور معاشرے کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا ہے اس میں ان کا کوئی ہم سر نہیں ہے۔ اس کتاب میں ان کی اس نوع کی تمام خوبیوں کو ان کے کلام کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

موجودہ کتاب پاکستان کے ممتاز و معروف مصنف ڈاکٹر افضل اقبال کی انگریزی کتاب Life and work of Rumi کا ایک نہایت کامیاب اردو ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر افضل اقبال کی کتاب کی منفرد اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ اس کے چار ایڈیشن شائع کر چکا ہے۔

صفحات ۱۶ + ۲۰۴ قیمت ــ ۲۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

الفہرست

تصنیف : محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق

اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزول قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتب فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیوں کر عالم وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ قیمت — ۴۵ روپے

الفخری

از ابن طقطقی اردو ترجمہ : مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ ساتویں صدی ہجری کے نامور مورخ ابن طقطقی کی تاریخ کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا شمار معتبر مآخذ تاریخ میں ہوتا ہے اور بے لاگ تبصرہ اور تنقید کی بنا پر اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

صفحات ۹۶ قیمت ۱۲ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور